ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY



AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2970

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: اسلامی ریاست و نظام حکومت کے بنیادی اصول و تصورات (2970) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: خلافت و امامت کے مفاہیم، خلافت کے مقاصد اور امام و خلیفہ کے تقرر کا شرعی حکم

سوال نمبر 1۔ خلافت اور امامت کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم، خلافت کے بنیادی مقاصد اور امام یا خلیفہ کے تقرر کا شرعی حکم بھی واضح کریں۔ (20)

تعارف

اسلامی ریاست کی قیادت کے لیے فقہ وکلام کی کتب میں دو اصطلاحات بنیادی ہیں: خلافت اور امامت۔ عام بول چال میں یہ دونوں ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتی ہیں، مگر ان کی لغوی و اصطلاحی باریکیوں کو سمجھے بغیر اسلامی نظامِ حکومت کی اصل ساخت واضح نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں انسان کو زمین میں خلیفہ کہا گیا ہے، اور نبی کریم ﷺ کے بعد امت کی قیادت کو خلافت سے تعبیر کیا گیا جبکہ نماز اور قیادت دونوں معنوں میں امامت کی اصطلاح استعمال ہوئی۔ اس جواب میں پہلے خلافت اور امامت کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم، پھر خلافت کے بنیادی مقاصد، اور آخر میں امام یا خلیفہ کے تقرر کے شرعی حکم پر اہلِ علم کی معلوم آراء کا تعلیمی خلاصہ پیش کیا جائے گا۔ یہ واضح رہے کہ خاص فقہی حکم کی قطعی تشخیص اہلِ علم و مفتیان کا منصب ہے؛ یہاں صرف نصابی علمی مطالعہ پیشِ مقصود ہے۔

خلافت کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم

خلافت عربی لفظ (خ ل ف) سے ہے، جس کے لغوی معنی پیچھے آنا، جانشین ہونا اور نائب بننا ہیں۔ جس طرح انسان ایک دوسرے کے بعد زمین پر آتے ہیں اور پچھلے کی جگہ لیتے ہیں، اسی نسبت سے جانشین کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے لیے خلیفہ کی تعبیر اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ بنا کر عدل سے فیصلے کا حکم اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ اصطلاح میں خلافت سے مراد نبی کریم ﷺ کی نیابت میں دین کی حفاظت اور دنیا کے معاملات کی شریعت کے مطابق تدبیر کے لیے قائم ہونے والی عمومی قیادت ہے۔ ماوردی سمیت متعدد علماء نے امامت و خلافت کی تعریف اسی مندرجہ پر کی ہے کہ مؤسسہ دین کی اقامت اور امت کی اجتماعی زندگی کی نگرانی کے لیے ہوتا ہے۔ اس تعریف سے دو باتیں نکلتی ہیں: خلافت ذاتی بادشاہت نہیں بلکہ نیابت و امانت ہے، اور اس کا دائرہ صرف سیاسی نہیں بلکہ دینی اقدار کی حفاظت بھی ہے۔

امامت کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم

امامت (ا م م) سے ہے جس کا لغوی مفہوم آگے ہونا، پیشوائی کرنا اور نمونہ بننا ہے۔ نماز کی قیادت کرنے والے کو امام کہنا اسی مفہوم سے ہے کہ وہ مقتدیوں کے آگے ہوتا ہے اور اس کی پیروی کی جاتی ہے۔ قرآن میں امام کا لفظ راہنما اور پیشوا کے معنی میں آیا ہے۔ اصطلاح میں امامت سے مراد مسلمانوں کی عمومی قیادت ہے جس کے سپرد دینی و دنیوی

امور کی سربراہی ہو۔ فقہاء کی بڑی تعداد نے امامت اور خلافت کو عملاً ہم معنی استعمال کیا ہے، جبکہ بعض نے امامت کو عام اور خلافت کو اس کی خاص اصطلاح قرار دیا۔ کلامی مباحث میں مختلف مکاتبِ فکر کے ہاں امامت کی نوعیت پر بحثیں بھی رہی ہیں، مگر نصابی سطح پر یہ کہنا کافی ہے کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لیے دونوں اصطلاحات رائج ہیں اور ان کا مشترکہ مقصد اہل و دیانت دار قیادت کا قیام ہے۔

جدول 1: خلافت اور امامت کا موازنہ

پہلو	خلافت	امامت
لغوی معنی	جانشینی، نیابت، پیچھے آنا	پیشوائی، آگے ہونا، نمونہ بننا
اصطلاحی مفہوم	نبوت کی نیابت میں دین کی حفاظت و نظام کی تدبیر	مسلمانوں کی عمومی دینی و سیاسی قیادت
زور کا نقطہ	نیابت و امانت کی ذمہ داری	قیادت و پیروی کا رشتہ
رائج استعمال	سربراہِ ریاست کے منصب کے لیے	منصب اور نماز و قیادت دونوں کے لیے

خلافت کے بنیادی مقاصد

خلافت کے مقاصد کو علماء نے قرآن و سنت اور خلفائے راشدین کے عمل کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ پہلا مقصد دین کی حفاظت اور اقامت ہے، یعنی عقائد و عبادات کی فضا قائم رکھنا اور دین کی حدود کی نگرانی کرنا۔ دوسرا مقصد عدل کا قیام ہے؛ فیصلے بلا امتیاز ہوں، مظلوم کو انصاف ملے اور قانون سب پر یکساں لاگو ہو۔ تیسرا مقصد امن و نظم اور سرحدوں و شہریوں کا تحفظ ہے۔ چوتھا مقصد عوامی فلاح ہے، یعنی بیت المال سے ضرورت مندوں کی کفالت، تعلیم و صحت جیسی بنیادی سہولتوں کا بندوبست اور معاشرے کی ترقی۔ پانچواں مقصد امت کی وحدت کی حفاظت ہے تاکہ مسلمان منتشر گروہوں میں نہ بٹیں۔ چھٹا مقصد نیکی کے فروغ اور برائی کی روک تھام کے لیے قانونی و اخلاقی نظام کی

نگرانی ہے۔ ساتواں مقصد دیگر اقوام کے ساتھ عدل و عہد پر مبنی تعلقات کا قیام ہے۔ ان مقاصد سے واضح ہے کہ خلافت اقتدار کی ہوس کا نام نہیں بلکہ خدمت، عدل اور حفاظت کا ادارہ ہے۔

امام یا خلیفہ کے تقرر کا شرعی حکم

امت کے سربراہ کے تقرر کے حکم کے بارے میں جمہور فقہاء و علماء کی علو رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اہل امام یا خلیفہ کا تقرر دینی و اجتماعی ضرورت اور واجب کے درجے میں ہے، کیونکہ اس کے بغیر حدود و قوانین کا نفاذ، عدل کا نظام، سرحدوں کا تحفظ اور اجتماعی عبادات و معاملات کا نظم ممکن نہیں رہتا۔ اس وجوب کی بنیاد قرآن کی اطاعتِ اولی الامر کی تعلیم، احادیث میں جماعت اور نظام کی تاکید، اور صحابۂ کرام کے اس اجماعی عمل کو فرار دیا جاتا ہے کہ وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد انہوں نے سب سے پہلے قیادت کے تقرر کو ترجیح دی۔ تقرر کے طریقوں میں اہلِ حل و عقد کا انتخاب و بیعت سب سے نمونہ مثال ہے، جیسا کہ خلفائے راشدین کے تقرر میں مختلف صورتوں سے نظر آتا ہے۔ خلیفہ کے لیے علماء نے شرائط بھی بیان کی ہیں: مسلمان اور عاقل بالغ ہونا، عدل و دیانت، معاملات کی سمجھ اور اہلیت، اور امورِ ریاست چلانے کی صلاحیت۔ ساتھ یہ اصول بھی مقرر ہے کہ اطاعت معروف میں ہے، اور حکم کی شرعی حیثیت پر اختلاف کی صورت میں استفسار اہلِ علم سے کیا جائے۔ ایک بار پھر وضاحت ضروری ہے کہ یہ مبحث کلاسیکی کتب کا علمی خلاصہ ہے؛ کسی موجودہ صورتحال پر اس کے انطباق کی رائے دینا علماء کا کام ہے، طالب علم کا نہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ خلافت نیابت و جانشینی کا نام ہے اور امامت پیشوائی و قیادت کا، اور اصطلاح میں دونوں اسلامی ریاست کی اعلیٰ قیادت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ خلافت کے مقاصد دین کی حفاظت، عدل کا قیام، امن و تحفظ، عوامی فلاح اور امت کی وحدت ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک اہل امام و خلیفہ کا تقرر امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے، جس کا بہترین طریقہ اہلِ رائے کی شریک بیعت و انتخاب ہے۔ یہ منصب امانت ہے، اسے مقاصد سے جوڑ کر سمجھنا ہی اس سوال کا اصل نکتہ ہے۔

سوال نمبر 2: شوریٰ کے فوائد اور اسلامی نظامِ حکومت میں شوریٰ کی بنیادی حیثیت

سوال نمبر 2۔ شوریٰ کے فوائد بیان کریں اور واضح کریں کہ اسلامی نظامِ حکومت میں شوریٰ کیوں ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ (20)

تعارف

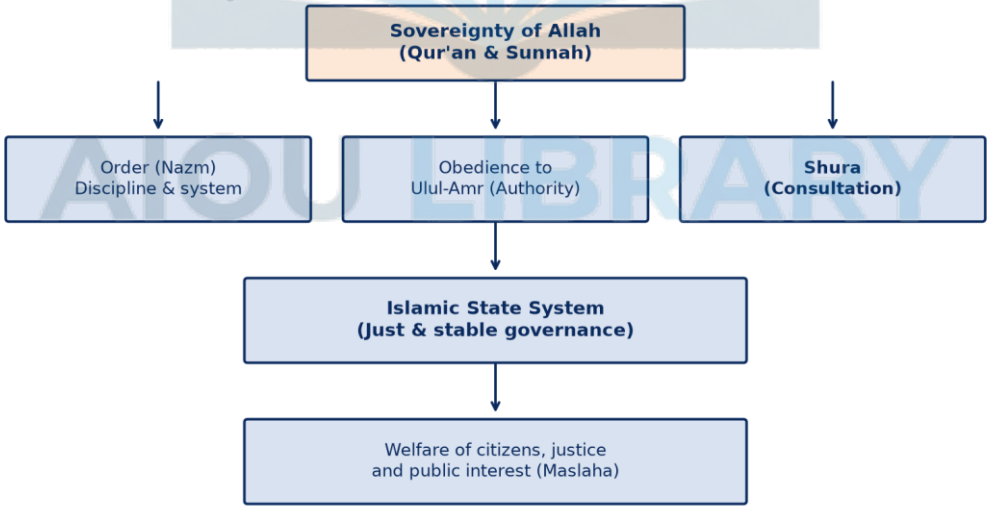
اسائنمنٹ نمبر 1 میں شوریٰ کی اہمیت قرآن و سنت کی روشنی میں بیان ہو چکی ہے؛ اس سوال کا زاویہ اس سے آگے کا ہے: شوریٰ کے فوائد کیا ہیں اور اسے اسلامی نظامِ حکومت کا بنیادی عنصر کیوں کہا جاتا ہے، وجودی حیثیت کیوں حاصل ہے۔ فرق یہ ہے کہ پہلے سوال کا مرکز دلیلی بنیاد تھا، جبکہ یہاں مرکز عملی فوائد اور نظام میں اس کی ناگزیریت ہے۔ شوریٰ کا مطلب اجتماعی معاملات میں اہلِ رائے سے مشورہ ہے، اور اس کی مجلس میں سربراہ سے لے کر منتخب نمائندوں تک سب شریعت کی حدود کے اندر رائے دیتے ہیں۔ نیچے پہلے شوریٰ کے فوائد تفصیل سے بیان کیے جائیں گے، پھر اس کی بنیادی حیثیت کی وجوہات، اور آخر میں اس کی شرائط و حدود کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔

شوریٰ کے فوائد

شوریٰ کا پہلا فائدہ درست فیصلوں تک رسائی ہے۔ ایک فرد کی رائے تجربے اور زاویۂ نظر کی حدود رکھتی ہے، جبکہ کئی اہلِ علم و تجربہ کی آراء ملنے سے مسئلے کے وہ پہلو بھی سامنے آ جاتے ہیں جو تنہا غور سے چھپے رہتے ہیں۔ دوسرا فائدہ غلطیوں کی کمی ہے؛ تنقیدی جائزے کی فضا میں فیصلے کی کمزوریاں بننے سے پہلے پکڑی جاتی ہیں۔ تیسرا فائدہ اعتماد و قبولیت ہے؛ جس فیصلے میں لوگوں کے نمائندے شریک ہوں اس پر عمل درآمد آسان ہوتا ہے کیونکہ عوام اسے اوپر سے تھوپا ہوا حکم نہیں سمجھتے۔ چوتھا فائدہ استبداد کی روک ہے؛ مشورے کی پابند قیادت من مانی نہیں کر سکتی۔ پانچواں فائدہ صلاحیتوں کی دریافت و تربیت ہے؛ شوریٰ میں بولنے اور سننے سے نئی قیادتیں ابھرتی ہیں۔ چھٹا فائدہ اختلاف کا پرامن حل ہے؛ رائے کا اختلاف مجلس کے اندر رہتا ہے اور سڑکوں پر انتشار کی صورت نہیں لیتا۔ ساتواں فائدہ معلومات کی ترسیل ہے؛ حکمران کو زمینی حقائق سے آگاہی ملتی ہے اور عوام کو فیصلے کے اسباب معلوم ہوتے ہیں۔ آٹھواں فائدہ اتحاد ہے؛ شریکِ فیصلہ قوم ذمہ داری بھی بانٹتی ہے۔ نواں فائدہ اللہ کی رضا اور سنت کی پیروی کا ثواب ہے، کیونکہ شوریٰ حکمِ قرآنی اور عملِ نبوی ہے۔ دسواں فائدہ اداروں کا استحکام ہے؛ شخصی حکومت کے بجائے نظامی طریقہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔

شوریٰ بنیادی عنصر کیوں ہے؟

شوریٰ کو بنیادی عنصر کہنے کی پہلی وجہ اس کی نصی بنیاد ہے۔ قرآن نے مشورے کو نبی کریم ﷺ کے لیے بھی ہدایت بنایا اور اہلِ ایمان کی پہچان بھی قرار دیا، اس لیے اسلامی نظام اسے اختیاری مشورہ نہیں، لازم جزو سمجھتا ہے۔ دوسری وجہ انسانی فطرت ہے؛ کوئی فرد تمام علوم و تجربات کا جامع نہیں ہو سکتا، اور ریاست جیسا وسیع نظام ایک دماغ سے نہیں چل سکتا۔ تیسری وجہ اطاعت سے اس کا جوڑ ہے؛ اسلامی نظام شہریوں سے اطاعت چاہتا ہے، اور عدل کا تقاضا ہے کہ جس سے اطاعت لی جائے اسے رائے کا حق بھی دیا جائے، شوریٰ یہی حق ادارے کی صورت میں فراہم کرتی ہے۔ چوتھی وجہ جواب دہی ہے: سوال کے بغیر احتساب کا کوئی موثر ذریعہ نہیں بنتا، کیونکہ سوال وہی کرے گا جسے فیصلے کی سمجھ ہو۔ پانچویں وجہ تاریخی تجربہ ہے؛ خلافتِ راشدہ کی مضبوطی کا بڑا سبب اس کا شورائی مزاج تھا، اور جب بھی مشورے کا نظام کمزور ہوا، مسلمان ریاستوں میں شخصی حکمرانی کے نقصانات سامنے آئے۔ چھٹی وجہ جدید تقاضے ہیں؛ آج کے پیچیدہ معاشی، تکنیکی اور سماجی مسائل میں ماہرین کی مشاورت کے بغیر حکمرانی ممکن ہی نہیں، جو شوریٰ کے اصول کی عصری تصدیق ہے۔ ان وجوہ کے مجموعے سے شوریٰ اسلامی حکومت میں رسمی رسم نہیں بلکہ اس کے چلنے کا طریقہ بن جاتی ہے۔



شکل 1: شوریٰ اسلامی نظام میں نظم اور اطاعت کے ساتھ جڑا ہوا بنیادی عنصر ہے (انگریزی خاکہ)۔

شوریٰ کی شرائط اور حدود

شوریٰ کے فوائد تبھی حاصل ہوتے ہیں جب اس کی شرائط پوری ہوں۔ اہلِ شوریٰ کا صاحبِ علم، دیانت دار اور متعلقہ معاملے کی سمجھ رکھنے والا ہونا ضروری ہے؛ ہر معاملے میں ہر فرد کی رائے برابر وزن نہیں رکھتی، تکنیکی معاملات میں ماہرین کی رائے کو ترجیح ملتی ہے۔ مشورہ ان امور میں ہوتا ہے جہاں شریعت نے قطعی حکم نہیں دیا؛ نصِ قطعی کے خلاف مشورہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ شوریٰ اجتہادی و انتظامی دائرے کا نظام ہے۔ مشورے کے بعد فیصلہ ہو جائے تو اس پر عمل اور اس کی ذمہ داری قیادت پر عائد ہوتی ہے، شوریٰ ذمہ داری سے فرار کا ذریعہ نہیں۔ اسی طرح رائے دینے کی آزادی اور اختلاف کی اجازت شوریٰ کی روح ہے، مگر فیصلے کے بعد ذاتی دشمنی ختم کر کے نظام کا ساتھ دینا بھی اسی روح کا تقاضا ہے۔ یہ حدود شوریٰ کو شور و شر اور فیصلہ کن نظام کے فرق میں رکھتی ہیں۔

شوریٰ کی عملی شکلیں اور مجلسِ شوریٰ

عملی طور پر شوریٰ کی دو بڑی شکلیں نظر آتی ہیں: ایک غیر رسمی مشاورت، جس میں حکمران کسی بھی اہلِ رائے سے مسئلہ زیرِ بحث لا کر رائے لیتا ہے، جیسا کہ سیرت میں انفرادی مشوروں کی مثالیں ملتی ہیں؛ اور دوسری ادارہ جاتی شکل، یعنی باقاعدہ مجلسِ شوریٰ، جس کے اراکین متعین ہوتے ہیں، اجلاس کا طریقہ کار مقرر ہوتا ہے اور فیصلے اجتماعی غور کے بعد ہوتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کے بعد کے ادوار اور موجودہ مسلمان ریاستوں میں پارلیمانی و مشاورتی ادارے اسی دوسری شکل کی جدید صورتیں کہی جا سکتی ہیں، بشرطیکہ وہ شریعت کی حدود، اہلیت اور جواب دہی کے اصولوں پر قائم ہوں۔ ادارہ جاتی شوریٰ کا فائدہ یہ ہے کہ مشورہ فرد کی مرضی پر نہیں رہتا بلکہ نظام کا لازم حصہ بن جاتا ہے، اراکین کی ذمہ داری واضح ہوتی ہے، اور فیصلہ سازی کا ریکارڈ آئندہ کے احتساب و تجربے کے کام آتا ہے۔ اسی ادارہ جاتی صورت کو مفکرین نے شوریٰ کے فوائد کی عملی ضمانت قرار دیا ہے، کیونکہ غیر رسمی مشاورت اچھے حکمران کے دور میں تو چلتی ہے مگر نظام کی بقا اداروں سے ہوتی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ شوریٰ اسلامی نظامِ حکومت کو درست فیصلے، عوامی اعتماد، استبداد سے حفاظت، قیادت کی تربیت اور ادارہ جاتی استحکام عطا کرتی ہے، اسی لیے یہ نص کی ہدایت، انسانی فطرت کی ضرورت، اطاعت کا مقابل حق اور تاریخی عمل کی تصدیق کے باعث بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس نظام میں شوریٰ زندہ ہو وہاں حکومت شخصی نہیں رہتی، نظام بن جاتی ہے، اور یہی اس اصول کی سب سے بڑی عملی حکمت ہے۔

سوال نمبر 3: عدلیہ اور فوج کی اسلامی نظامِ حکومت میں اہمیت

سوال نمبر 3۔ عدلیہ اور فوج کی اسلامی نظامِ حکومت میں اہمیت بیان کریں۔ (20)

تعارف

ہر ریاست کے دو بنیادی ستون اس کے اندرونی نظام اور بیرونی تحفظ کو سنبھالتے ہیں: عدلیہ اندرونی عدل فراہم کرتی ہے اور فوج بیرونی خطرات سے حفاظت کرتی ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت میں ان دونوں اداروں کو محض انتظامی سہولت نہیں سمجھا گیا بلکہ انہیں عدل اور امن جیسے قرآنی مقاصد کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ اگر عدلیہ کمزور ہو تو حقوق پامال ہوتے ہیں اور معاشرے میں فساد پھیلتا ہے، اور اگر دفاع کمزور ہو تو ریاست کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس جواب میں پہلے عدلیہ کی اہمیت اور اس کی اسلامی خصوصیات بیان کی جائیں گی، پھر فوج کی اہمیت اور اس کے مقاصد و اصول، اور آخر میں دونوں کے باہمی توازن پر گفتگو ہو گی۔

عدلیہ کی اہمیت

عدلیہ کی اہمیت اس بنیادی سچائی سے شروع ہوتی ہے کہ حکومت کے قانون کا اصل امتحان عدالت میں ہوتا ہے۔ عوام کے جان و مال، عزت اور کاروبار کا تحفظ اسی وقت ممکن ہے جب تنازعات کا فیصلہ غیر جانبدار فورم سے ہو۔ قرآن مجید کی عمومی تعلیم یہ ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کیے جائیں، حتیٰ کہ اپنی یا قریبی لوگوں کی مخالفت میں بھی گواہی و فیصلہ

سچائی پر ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں خود بھی قضا کے فیصلے فرمائے اور دیگر علاقوں میں قاضی مقرر کر کے بھیجے، جس سے عدلیہ ایک الگ ذمہ داری کی صورت میں نمایاں ہوئی۔ خلافتِ راشدہ اور بعد کے ادوار میں قاضی القضاۃ کا منصب اور محکمۂ قضا باقاعدہ ادارے کی شکل اختیار کر گیا۔ عدلیہ مضبوط ہو تو شرح جرم گھٹتی ہے، کاروباری اعتماد بڑھتا ہے، کمزور کو طاقتور کے مقابلے میں پناہ ملتی ہے اور ریاست کی سب سے قیمتی دولت یعنی عوام کا اعتماد قائم رہتا ہے۔ اس کے برعکس عدالتی کمزوری پوری ریاست کے اخلاقی جواز کو کمزور کر دیتی ہے، چاہے اس کی فوج اور خزانہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

اسلامی عدلیہ کی نمایاں خصوصیات

اسلامی عدلیہ کی پہلی خصوصیت اس کی آزادی ہے؛ قاضی فیصلہ شریعت اور شواہد کی بنیاد پر کرتا ہے، حکمران کی خواہش پر نہیں، اور سیرت و تاریخ میں حکمرانوں کے عدالت میں پیش ہونے کی مثالیں اسی آزادی کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ دوسری خصوصیت مساوات ہے؛ قانون کے سامنے شریف، کمزور، امیر و غریب اور حاکم و محکوم برابر ہیں، اور قانون کے نفاذ میں رشتہ و سفارش کی نفی احادیث کی مشہور تعلیمات میں ملتی ہے۔ تیسری خصوصیت اہلیت و دیانت ہے؛ قاضی کے لیے علم، فہم، تقویٰ اور بے غرضی شرط قرار دی گئی۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ عدلیہ کا دائرہ تنازعات سے بڑھ کر مظالم کی دادرسی تک جاتا ہے، تاریخی طور پر محکمۂ مظالم اسی غرض سے قائم رہا کہ بڑے اہلکاروں کے خلاف بھی شکایت سنی جا سکے۔ پانچویں خصوصیت انصاف کی سہولت ہے؛ مقدمہ سادہ طریقے سے دادرسی تک پہنچے۔ یہ خصوصیات آج کے عدالتی اصلاحات کے اہداف سے گہرا تعلق رکھتی ہیں اور اسلامی عدلیہ کی دائمی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

فوج کی اہمیت

فوج کی اہمیت ریاست کے تحفظ سے جڑی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اپنی طاقت و اسباب کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے تاکہ دشمن جارحیت سے باز رہے اور امن قائم رہے؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ فوج کی تیاری کا مقصد جنگ بھڑکانا نہیں بلکہ جنگ کی روک تھام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ریاستِ مدینہ کے استحکام کے ساتھ دفاع کو بھی منظم کیا؛ سرحدی نگرانی، دستوں کی تشکیل، انصار و مہاجرین کا نظامی تعاون اور دشمن کی نقل و حرکت کی خبر گیری سب اسی نظام کا حصہ تھے۔ فوج کی موجودگی سے تجارت کے راستے محفوظ ہوتے

ہیں، سرحدی آبادیاں مطمئن رہتی ہیں، اور ریاست کی خارجہ پالیسی کو وزن ملتا ہے۔ اسی کے ساتھ اسلامی تعلیمات نے فوج پر اخلاقی پابندیاں بھی عائد کی ہیں: غیر مسلح آبادی کو نشانہ نہ بنانا، فرار ہونے والوں کا پیچھا نہ کرنا، فصلوں اور عبادت گاہوں کا احترام، اور معاہدے کی پابندی۔ یہ پابندیاں فوج کو جارح جمعیت سے الگ کر کے محافظ ادارے کی صورت دیتی ہیں۔

فوج کے مقاصد، اصول اور عدلیہ سے توازن

اسلامی نقطۂ نظر سے فوج کے مقاصد یہ ہیں: سرحدوں اور شہریوں کا تحفظ، جارحیت کا دفاب، مظلوم کی مدد کے قانونی اقدامات، امن کے معاہدوں کی ضمانت، اور آفات و ہنگامی صورتوں میں اجتماعی مدد۔ فوج نظم و ضبط، فرمانبرداری اور اہلیت پر چلتی ہے، مگر اس کی اطاعت بھی عدلیہ ہی کی طرح معروف اور قانون کی حدود کے اندر ہے۔ یہاں سب سے نازک نکتہ توازن ہے: فوج سیاست اور عدالت سے الگ اپنے پیشہ ورانہ دائرے میں رہے، اور عدلیہ سیاسی و فوجی دباؤ سے آزاد فیصلے کرے۔ اسلامی تاریخی تجربے میں اسی توازن کی اچھی صورتیں بھی ملتی ہیں اور اس کے بگڑنے کے نقصانات بھی، اس لیے نصابی مطالعہ طالب علم کو سکھاتا ہے کہ ادارے کب مقاصد پورے کرتے ہیں جب وہ اپنے دائرے، اصول اور احتساب کے ساتھ کام کریں۔ بیت المال سے فوج کی تنخواہوں اور عدلیہ کے نظام کی مالی معاونت بھی اس لیے ضروری ہے کہ یہ ادارے ذاتی مفاد سے آزاد رہ کر عوامی خدمت کر سکیں۔

جدول 1: عدلیہ اور فوج — کردار کا موازنہ

فوج	عدلیہ	پہلو
سرحدوں و شہریوں کا تحفظ اور جارحیت کی روک	تنازعات کا عادلانہ فیصلہ اور حقوق کا تحفظ	بنیادی فریضہ
سرحدوں اور بیرونی خطرات سے متعلق	ریاست کے اندر	دائرۂ کار
نظم، تیاری، اخلاقی پابندیاں، قانون کی تابعداری	آزادی، مساوات، غیر جانبداری، اہلیت	مرکزی اقدار

ریاست کے وجود اور امن کو خطرہ	حق تلفی، بدامنی، اعتماد کا خاتمہ	کمزوری کا نقصان

تاریخی ارتقا پر ایک نظر

تاریخی اعتبار سے عدلیہ کا ادارہ نبوی عہد کی سادہ قضا سے شروع ہو کر خلافتِ راشدہ میں صوبائی قاضیوں کے نظام، اموی و عباسی ادوار میں قاضی القضاۃ کے منصب اور منظم دیوانی ڈھانچے تک ترقی کر تا گیا، اور فوج بھی رضا کار دستوں سے با قاعدہ تنخواہ دار اور جسٹر شدہ نظام تک پہنچی۔ اس ارتقا سے یہ اصول ثابت ہو تا ہے کہ اسلامی نظام اداروں کو جامد نہیں رکھتا بلکہ ہر دور کی ضرورت کے مطابق انہیں منظم کر تا ہے، بشر طیکہ عدل و تحفظ کے بنیادی مقاصد بر قرار رہیں۔ عصری ریاستوں میں سپریم عدلیہ، ہائی کورٹس اور پیشہ ور مسلح افواج اسی مقصد کی جدید ادارہ جاتی شکلیں ہیں، اور ان کی اصل کامیابی کا معیار بھی وہی ہے جو اسلامی تعلیمات نے مقرر کیا تھا: عدالت آزاد اور فیصلہ قانون کے مطابق ہو، اور فوج مضبوط ہو مگر قانون و آئین کی پابند رہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت میں عدلیہ اور فوج دو ایسے ادارے ہیں جن کے بغیر نہ عدل مکمل ہو تا ہے نہ امن۔ عدلیہ ریاست کو اندر سے انصاف دیتی ہے اور فوج اسے باہر سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ دونوں کو اسلامی تعلیمات نے مقاصد سے بھی جوڑا ہے اور اخلاقی حدود کا پابند بھی کیا ہے: عدلیہ آزاد و مساوی ہے اور فوج محافظ و قانون پابند۔ جس ریاست میں یہ دو ادارے مضبوط، خود مختار اور اپنے دائرے میں رہ کر کام کرتے ہیں، وہ استحکام اور عوامی اعتماد کی راہ پر چلتی ہے۔

سوال نمبر 4: مالیاتی پالیسی کی تعریف اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے بنیادی اہداف

سوال نمبر 4۔ مالیاتی پالیسی کی تعریف بیان کریں اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے بنیادی اہداف واضح کریں۔ (20)

تعارف

ہر ریاست کو اپنے فرائض انجام دینے کے لیے آج بھی وسائل چاہیے اور خرچ کی ترتیب بھی؛ یہی بندوبست مالیاتی پالیسی کا موضوع ہے۔ عدل، دفاع، تعلیم، صحت اور فلاحی کام بغیر زر کے نہیں چل سکتے، اسی طرح غلط ٹیکس بندی اور بے ترتیب اخراجات معیشت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اسلام نے مال کو اللہ کی امانت اور اجتماعی ذمہ داری سے جوڑ کر اس شعبے کے بھی اصول دیے ہیں؛ بیت المال کا قیام، زکوٰۃ و عشر کا نظام اور سرکاری خرچ میں احتیاط کی تاکید اس کی روشن مثالیں ہیں۔ اس جواب میں پہلے مالیاتی پالیسی کی عام تعریف بیان کی جائے گی، پھر اس کے اجزا، اس کے بعد اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے بنیادی اہداف کی وضاحت کی جائے گی، اور آخر میں عام اور اسلامی تصور کا فرق واضح کیا جائے گا۔

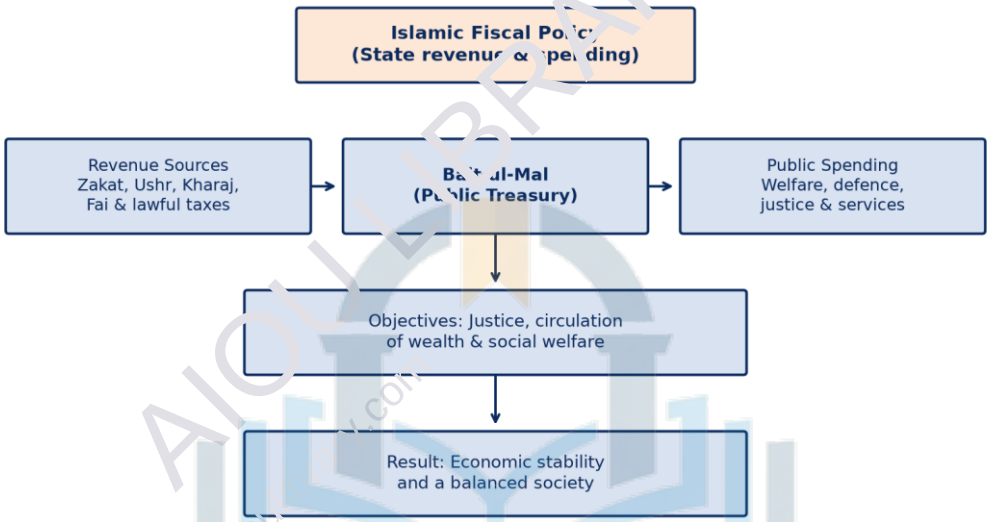
مالیاتی پالیسی کی تعریف

مالیاتی پالیسی، جسے انگریزی میں (Fiscal Policy) کہا جاتا ہے، حکومت کی اس پالیسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے وہ مصارف اور آمدن (ٹیکسوں اور دیگر محاصل) کی سطح و ساخت مقرر کرتی ہے تاکہ معاشی اہداف حاصل کیے جا سکیں۔ سادہ لفظوں میں یہ ریاست کا سالانہ فیصلہ ہے کہ پیسہ کہاں سے آئے گا اور کہاں خرچ ہو گا۔ اس کے دو بنیادی بازو ہیں: محاصل کی پالیسی، جس میں ٹیکسوں کی اقسام، شرحیں اور محصولات کی وصولی کے اصول شامل ہیں؛ اور اخراجات کی پالیسی، جس میں دفاع، انتظامیہ، تعلیم، صحت، ترقیاتی منصوبوں اور فلاحی متقلیوں پر خرچ شامل ہے۔ مالیاتی پالیسی زری پالیسی (مانیٹری پالیسی) سے مختلف ہے؛ زری پالیسی کرنسی اور شرحِ سود سے متعلق ہوتی ہے جو عموماً مرکزی بینک چلاتا ہے، جبکہ مالیاتی پالیسی حکومت کا اختیار ہے۔ بجٹ اس پالیسی کا سالانہ عملی اظہار ہوتا ہے۔

اسلامی مالیاتی نظام کے بنیادی ذرائع

اسلامی ریاست میں محاصل کے مستند ذرائع تاریخی و فقہی کتب میں بیان ہوئے ہیں۔ زکوٰۃ صاحبِ نصاب مسلمانوں کے مال میں مقررہ حق ہے جو مخصوص مصرفوں، خصوصاً فقراء و مساکین، پر خرچ ہوتا ہے۔ عشر زرعی پیداوار پر عائد محصول ہے جس کی شرح آب پاشی کے طریقے کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ خراج مفتوحہ زرعی اراضی پر محصول تھا، جزیہ تاریخی دور میں غیر مسلم شہریوں کی حفاظت و خدمات کے بدل میں لیا جانے والا محصول تھا جو آج کے آئینی نظاموں میں اس صورت میں موجود نہیں؛ اس کا ذکر صرف

تاریخی مطالعے کے طور پر مناسب ہے۔ فیٔ و غنیمت کے حصے، سرکاری املاک کی آمدن اور ضرورت پڑنے پر عدل و استطاعت کے مطابق قانونی وصولیاں بھی کتب میں مذکور ہیں۔ خرچ کی طرف بیت المال کی صورت میں منظم خزانہ ہوتا ہے، جس میں ہر مد کی رقم اپنے مصرف پر لگتی ہے، خصوصاً زکوٰۃ کی رقم اس کے شرعی مصرفوں سے باہر خرچ نہیں ہوتی۔ یہ وضاحت نصابی علم کے لیے ہے؛ کسی دور میں کسی محصول کی شرعی تشخیص کا فتویٰ اہلِ علم کا کام ہے۔



شکل 1: اسلامی مالیاتی پالیسی کا خاکہ — محاصل، بیت المال، عوامی اخراجات اور مقاصد (انگریزی خاکہ)۔

اسلامی نقطۂ نظر سے مالیاتی پالیسی کے بنیادی اہداف

اسلامی نقطۂ نظر سے مالیاتی پالیسی کا پہلا بنیادی ہدف عدل ہے؛ ٹیکس بلاامتیاز، استطاعت کے مطابق اور واضح قانون کے تحت ہو، اور خرچ میں بھی کسی گروہ کی ناحق طرف داری نہ ہو۔ دوسرا ہدف دولت کی گردش ہے؛ قرآن کی ہدایت ہے کہ مال صرف مالداروں میں گردش نہ کرتا رہے، اس لیے زکوٰۃ، صدقات اور فلاحی خرچ کے ذریعے وسائل کو پورے معاشرے میں پھیلایا جاتا ہے۔ تیسرا ہدف غربت کا خاتمہ اور بنیادی ضرورتوں کی ضمانت ہے؛ بیت المال اپنے شہریوں کی کفالت کو اولین فرائض میں رکھتا ہے۔ چوتھا ہدف معاشی استحکام ہے؛ مالیاتی پالیسی مہنگائی، بے روزگاری اور کاروباری مندی کے اثرات گھٹانے میں اعتدال کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ پانچواں ہدف عوامی خدمات و ترقی ہے؛ تعلیم، صحت، سڑکیں اور پانی جیسی مشترکہ سہولتیں اجتماعی مال سے فراہم ہوتی ہیں۔ چھٹا ہدف دفاع و عدل کے اداروں کی مالی مضبوطی ہے تاکہ یہ ادارے اپنے فرائض

آزادانہ ادا کر سکیں۔ ساتواں ہدف فضول خرچی و اسراف کی روک اور امانت داری ہے؛ سرکاری مال کو عوام کی امانت سمجھ کر بے احتیاطی سے بچانا ہے۔ آٹھواں ہدف حلال و پاکیزہ ذرائع ہیں؛ سود اور استحصالی طریقوں سے محاصل نہیں بڑھائے جاتے، کیونکہ ہدف کے ساتھ وسیلہ بھی شریعت کے دائرے میں رہتا ہے۔

جدول 1: اسلامی مالیاتی پالیسی کے اہداف اور ان کے ذرائع

ہدف	ذرائع / عملی صورت	متوقع نتیجہ
عدل	قانونی، شفاف اور استطاعت پر مبنی وصولی	شہریوں کا خزانے پر اعتماد
گردشِ دولت	زکوٰۃ، عشر، فلاحی اخراجات	طبقاتی خلیج میں کمی
غربت کا خاتمہ	بیت المال سے کفالت و بحالی	بنیادی ضرورتوں کی فراہمی
معاشی استحکام	متوازن بجٹ پالیسی، مدافعتی اخراجات	مہنگائی و بے روزگاری پر قابو میں مدد
عوامی خدمات	تعلیم، صحت و بنیادی ڈھانچے پر خرچ	اجتماعی فلاح و ترقی

عام اور اسلامی تصور کا فرق

عام مالیاتی پالیسی کا مرکز عام طور پر صرف معاشی ترقی و استحکام ہوتا ہے، جبکہ اسلامی تصور اس میں اخلاقی و سماجی مقاصد شامل کرتا ہے: وسیلہ حلال ہو، تقسیم عادلانہ ہو، کمزور کی کفالت یقینی ہو اور مال کو امانت سمجھا جائے۔ ایک اور فرق زکوٰۃ جیسے عبادتی محصول کا ہے جس کی شرح و مصرف حکومت کی مرضی سے تبدیل نہیں ہوتے، جبکہ عام ٹیکس پالیسی سازی سے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ بھی نوٹ رہے کہ اسلامی اہداف کا یہ بیان اصولوں کا مطالعہ ہے؛ کسی جدید بجٹ، ٹیکس یا قرض کی پالیسی کا شرعی جائزہ لینا ماہرینِ معیشت اور علماء کی مشترکہ ذمہ داری ہے، جسے طالب علم کو اصول و انطباق میں فرق رکھ کر پڑھنا چاہیے۔ اسی احتیاط سے مالیاتی پالیسی کا اسلامی مطالعہ موجودہ دور میں بھی راہنمائی کا ذریعہ بنتا ہے۔

مالیاتی پالیسی کے عملی آلات

عملی سطح پر مالیاتی پالیسی چند آلات سے اثر ڈالتی ہے۔ کساد بازاری میں حکومت عوامی اخراجات بڑھا کر یا وصولیوں میں رعایت دے کر طلب کو سہارا دیتی ہے، جبکہ مہنگائی کے دباؤ میں اخراجات کی رفتار کم کر کے اور غیر ضروری مصارف روک کر توازن قائم کیا جاتا ہے۔ اسلامی ڈھانچے میں اس کے علاوہ ایک خود کار مستحکم کنندہ بھی موجود ہے: خوش حالی میں زکوٰۃ کی وصولی بڑھتی ہے اور تنگ دستی میں فلاحی منتقلیاں بڑھ جاتی ہیں، یوں معاشی اتار چڑھاؤ کا بوجھ کمزور طبقے پر یکطرفہ نہیں پڑتا۔ البتہ یہ آلات تبھی کارآمد ہوتے ہیں جب خزانے کے اعداد شفاف ہوں، بجٹ باقاعدہ مشورے و منظوری سے گزرے، اور آڈٹ کا نظام سرکاری خرچ کا حساب رکھے۔ امیر المومنین کی بیت المال کے بارے میں مشہور احتیاط، کہ سرکاری مال اپنی ذات پر حرام سمجھنا، اسی امانت داری کا اخلاقی معیار ہے جو آج کے مالی نظم و ضبط کی بنیاد بھی ہے اور اسلامی مالیاتی پالیسی کی پہچان بھی۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ مالیاتی پالیسی حکومت کی آمدن و خرچ کے نظام کا نام ہے، اور اسلامی نقطۂ نظر اسے عدل، گردشِ دولت، غربت کے خاتمے، استحکام، عوامی خدمت اور امانت داری کے اہداف سے باندھتا ہے۔ زکوٰۃ، عشر اور بیت المال اس نظام کے نمایاں ستون ہیں۔ مقصد صرف خزانہ بھرنا نہیں بلکہ ایسا معاشی ماحول بنانا ہے جس میں کمائی حلال، تقسیم عادلانہ اور فلاح عام ہو، یہی اس سوال کا بنیادی نکتہ ہے۔

سوال نمبر 5: اسلامی مالیاتی پالیسی میں شخصی آزادی کی اہمیت اور فرد و ریاست پر اس کے اثرات

سوال نمبر 5۔ اسلامی ریاست کی مالیاتی پالیسی میں شخصی آزادی کی کیا اہمیت ہے؟ فرد اور ریاست دونوں سطحوں پر اس کے اثرات بیان کریں۔ (20)

تعارف

مالیاتی پالیسی کے مطالعے میں ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاست مال و ٹیکس کے معاملات میں فرد کی آزادی کو کتنی جگہ دیتی ہے۔ کچھ نظام ریاستی مداخلت کو حد سے بڑھا لیتے ہیں جبکہ کچھ مکمل آزادی کے نام پر سماجی ذمہ داری چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلام کا مزاج توازن کا ہے؛ وہ شخصی ملکیت، حلال کمائی اور کاروباری فیصلے کی آزادی کو انسانی فطرت اور معاشی نشوونما کے لیے ضروری سمجھتا ہے، مگر اس آزادی کو زکوٰۃ، خراج کی معافیت اور عوامی مصلحت جیسی ذمہ داریوں کے ساتھ باندھتا ہے۔ اس جواب میں پہلے شخصی آزادی کا مفہوم، پھر مالیاتی پالیسی میں اس کی اہمیت، اس کے بعد فرد کی سطح پر اثرات، ریاست کی سطح پر اثرات، اور آخر میں آزادی کی حدود و توازن بیان کیے جائیں گے۔

شخصی آزادی کا مفہوم اور مالیاتی پالیسی میں اس کی اہمیت

شخصی آزادی سے یہاں مراد معاشی آزادی ہے: انسان حلال پیشہ اختیار کرے، محنت سے مال کمائے، جائز ملکیت رکھے، خرید و فروخت اور سرمایہ کاری کے فیصلے خود کرے اور اپنی آمدن کو جائز حدود میں مرضی سے استعمال کرے۔ اسلامی مالیاتی پالیسی میں یہ آزادی اس لیے اہم ہے کہ محنت و حوصلے کی جڑیں احساس ہے کہ کمائی پر انسان کا حق محفوظ ہے۔ قرآن میں تجارت و کسب کی ترغیب اور سیرت میں نبی کریم ﷺ کا بازار و کاروبار کی حوصلہ افزائی فرمانا اسی اصول کی تائید ہے۔ اگر ریاست ہر معاشی فیصلے خود لے تو پیداوار گھٹتی ہے، پوشیدہ معیشت بڑھتی ہے اور شہری خزانے کو بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے برعکس اگر آزادی مطلق ہو تو دولت سمٹتی ہے، اجارہ داریاں بنتی ہیں اور کمزور طبقے ریاست کی فلاحی ذمہ داری سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسلامی مالیاتی پالیسی کی ممتاز خوبی یہ ہے کہ وہ آزادی کو اصول اور مداخلت کو ضرورت تک محدود رکھتی ہے؛ ٹیکس واضح قانون سے، شرح استطاعت کے مطابق، اور خرچ کا بڑا حصہ انہی خدمات پر جو فرد تنہا فراہم نہیں کر سکتا، جیسے دفاع، عدل اور مشترکہ ڈھانچہ۔

فرد کی سطح پر اثرات

فرد کی سطح پر شخصی آزادی کے اثرات نمایاں اور براہ راست ہوتے ہیں۔ پہلا اثر محنت کا حوصلہ ہے؛ جب کمانے والا جانتا ہے کہ اس کی جائز ملکیت محفوظ ہے تو وہ زیادہ جدوجہد کرتا ہے، ہنر سیکھتا ہے اور کاروباری خطرات بھی مول لیتا ہے، جس سے اس کی آمدن اور خاندان کا معیارِ زندگی بہتر ہوتا ہے۔ دوسرا اثر خود مختاری و وقار ہے؛ آزاد کمانے والا

خیرات پر انحصار کے بجائے اپنی محنت پر جیتا ہے، اور زکوٰۃ دے کر معاشرے کا محسن بنتا ہے، محتاج نہیں رہتا۔ تیسرا اثر تخلیق وجدت ہے؛ تجارت وصنعت میں آزادی نئے خیالات، نئی مصنوعات اور نئے روزگار پیدا کرتی ہے۔ چوتھا اثر مذہبی واخلاقی ہے؛ حلال حدود میں آزاد کاروبار انسان کو حرام ذرائع سے بچاتا ہے، اور جائیداد کا تحفظ اسے مستقبل کی منصوبہ بندی، اولاد کی تعلیم اور صدقہ وخیرات کی توفیق دیتا ہے۔ پانچواں اثر منفی صورت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آزادی ذمہ داری کے شعور کے بغیر خود غرضی و دولت پرستی میں بدل جائے، اسی لیے اسلام آزادی کے ساتھ یاد دہانی بھی کراتا ہے کہ مال امانت ہے اور اس کے حقوق بھی ہیں۔ مجموعی طور پر فرد کے لیے شخصی آزادی خوش حالی، وقار اور ترقی کا دروازہ ہے، بشرطیکہ وہ حلال وعدل کے دائرے میں رہے۔

ریاست کی سطح پر اثرات

ریاست کی سطح پر بھی شخصی آزادی کے اثرات دور رس ہیں۔ پہلا اثر معاشی بنیاد کی وسعت ہے؛ جب افراد آزادانہ کماتے ولگاتے ہیں تو پیداوار و تجارت بڑھتی ہے اور ریاست کے محاصل بھی قدرتی طور پر بڑھتے ہیں، چنانچہ خزانہ زبردستی کے بجائے خوش حالی سے بھرتا ہے۔ دوسرا اثر استحکام واعتماد ہے؛ وہ حکومت جس کے مالی قوانین قابلِ پیش گوئی اور غیر امتیازی ہوں، شہری وسرمایہ کار اس سے تعاون کرتے ہیں اور سیاسی استحکام بڑھتا ہے۔ تیسرا اثر انتظامی اخراجات کی کمی ہے؛ ہر چیز پر ریاستی کنٹرول رکھنا مہنگا اور دشوار ہوتا ہے، جبکہ آزاد مگر منضبط نظام میں ریاست نگرانی وسہولت پر توجہ دے سکتی ہے۔ چوتھا اثر سماجی ہم آہنگی ہے؛ جب شہری محسوس کریں کہ ریاست ان کی آزادی کی محافظ ہے، تکلیف دہ نہیں، تو زکوٰۃ وٹیکس کی ادائیگی رضاکارانہ مزاج اختیار کرتی ہے اور قانون کی پاسداری بڑھتی ہے۔ پانچواں اثر خطرے کی صورت میں یہ ہے کہ بے ضابطہ آزادی بڑے اجارہ دار ادارے پیدا کر سکتی ہے جو پالیسی پر اثرانداز ہوں، اس لیے ریاست کا فرض ہے کہ مقابلے کی حفاظت، شفافیت اور فلاحی فرش کو قائم رکھے۔ یوں ریاست کے لیے آزادی نعمت بھی ہے اور ذمہ داری بھی۔

جدول 1: شخصی آزادی کے فرد اور ریاست پر اثرات

سطح	مثبت اثرات	احتیاط طلب پہلو

بے لگام آزادی سے خود غرضی و دولت پرستی کا خطرہ	محنت کا حوصلہ، وقار، جدت، مالی منصوبہ بندی	فرد
اجارہ داری و طبقاتی خلیج کی نگرانی ضروری	وسیع معاشی بنیاد، مستحکم محاصل، عوامی اعتماد	ریاست

آزادی کی حدود اور توازن

اسلامی مالیاتی پالیسی میں شخصی آزادی مطلق نہیں بلکہ اصولوں سے باندھی گئی ہے۔ پہلی حد حلال و حرام کی ہے؛ سود، جوا، دھوکا دہی اور حرام اشیاء کی تجارت آزادی کے دائرے سے باہر ہیں۔ دوسری حد دوسروں کے حقوق کی ہے؛ ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی اور ماحول و صارف کو نقصان پہنچانا ممنوع ہے۔ تیسری حد اجتماعی فریضہ ہے؛ زکوٰۃ اور واجب وصولیاں ادا کرنے کے بعد ہی باقی مال میں مکمل تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ چوتھی حد عوامی مصلحت کی ہے؛ غیر معمولی صورت ہے؛ جنگ یا قحط جیسی ہنگامی حالت میں ریاست قانون کے ذریعے عارضی اضافی بوجھ ڈال سکتی ہے، مگر اس کی تشخیص و حد بندی قانون اور اہلِ علم کی مشاورت کے بغیر نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اصول کی غیر واضح توسیع آزادی کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ توازن ہی اسلامی پالیسی کو اشرافی جبر اور بے قید آزادی دونوں سے الگ ممتاز کرتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی پالیسی میں شخصی آزادی محض رواداری نہیں بلکہ نظام کی کارکردگی کی بنیاد ہے؛ فرد کے لیے یہ حوصلے، وقار اور خوش حالی کا ذریعہ بنتی ہے، اور ریاست کے لیے وسیع معاشی بنیاد، مستحکم محاصل اور عوامی اعتماد پیدا کرتی ہے۔ ساتھ ہی یہ آزادی حلال و حرام، دوسروں کے حقوق اور اجتماعی فریضوں کی حدود میں رہتی ہے۔ اسی توازن میں اسلامی مالیاتی نظریے کی اصل حکمت پوشیدہ ہے: فرد آزاد بھی ہو اور ذمہ دار بھی، اور ریاست طاقتور بھی ہو اور آزادی کی محافظ بھی۔